عقائد اور نظریات کا فرق، اصولی تجزیہ

تحریر

مفتی عبید الرحمان صاحب

رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقوی، مردان

عقائد اور نظریات کا فرق: اصولی تجزیہ[1]

عقائد کا تعارف

اعتقاد اور عقیدہ کے الفاظ " عقد " سے نکلے ہیں جس کا معنیٰ کسی چیز کو باندھنا ہے، ان جیسے الفاظ میں عقیدے کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ دل سے کسی چیز کو سچ وثابت یا باطل وغیر ثابت تسلیم کرلیا جائے، جن چیزوں کو ہم اعتقادات اور عقائد کی فہرست میں گنواتے ہیں، ان کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے ہم "صفت وحدانیت " ثابت مانتے ہیں اور شرک کو مذموم وممنوع قرار دیتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں ہمارے دینی عقائد کا حصہ بلکہ اس کی اساس وبنیاد ہیں ،اس کا یہی مطلب ہے کہ وحدانیت کی صفت کو ہم نے دل وجان سے درست اور واقع کے مطابق یقین کیا جبکہ شرک کو قلب وجگر سے غیر ثابت اور جھوٹ وخلافِ واقع باور کیا۔

نظریات کا تعارف

ہمارے زمانے میں اس کے قریب قریب ایک اور اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ قدیم مسائل کے علاوہ جدید نوعیت کے مسائل وافکار میں اسی لفظ کا استعمال زیادہ ہے، اس کی بنسبت عقائد کے لفظ کا استعمال کم اور بہت ہی کم ہے، وہ اصطلاحی

---

[1] یہ مضمون ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کے شمارہ جولائی ۲۰۲۲ء میں شائع ہوچکا ہے۔

لفظ "نظریات" ہے۔اس کا مفرد "نظریہ" ہے جس کا اصل معنیٰ ہے: وہ مسئلہ جس میں نظر و فکر سے کام لیا جائے۔ تھیوری۔ اصول۔[1]

عقیدے اور نظریہ میں فرق کا خیال واثرات

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ:

الف: نظریہ الگ چیز ہے اور عقیدہ بالکل جدا چیز ہے۔

ب: عقیدے کے باب میں ماثور اور منقول بات کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور اسی کے حصار میں رہنا ضروری ہے جبکہ نظریات کے باب میں آزادی اور تجربے کو دخل ہے۔

ج: عقیدہ ایک جامد اور ٹھوس چیز ہے جبکہ نظریات میں تغیر اور ترقی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے، نظریہ ہمیشہ متحرک ہی رہتا ہے۔

د: عقیدے میں نصوص کی پابندی ضروری ہے جبکہ نظریات کا تعلق فکر و نظر کے ساتھ ہے، جس میں مزاج و مذاق اور تجربہ وغیرہ کی بنیاد پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے، اور یہی چیزیں اس کے لئے مصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ مساوات، حریت اور غیر محدود آزادی اور ان جیسی دیگر باتیں جن کو نظریات کے نام و عنوان سے متعارف کرایا جاتا ہے، امتِ مسلمہ کی جم غفیر ان کو نظریات کے عنوان سے درست تسلیم کرتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حاشیہ خیال میں بھی بسا اوقات یہ سوال تک کھڑا نہیں ہوتا کہ ان

---

[1] فیروز اللغات، ص ۱۴۳۳

چیزوں کا دین وشریعت سے بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ عقیدے کے عنوان سے معمولی تجدّد و تغیّر بھی آئے تو امت مسلمہ اس کے خلاف میدان عمل میں اترتی ہے اوراس کا مقابلہ کرتی ہے اور پہلے ہی مرحلہ میں اسے ضلال وگمراہی قرار دیتی ہے، لیکن اس جیسی گمراہی یا اس جیسا فلسفہ اگر نظریہ کا لباس اوڑھ کر جلوہ گر ہوتی ہے تو نہ اس پر اشکال کھڑا ہوتا ہے، نہ اس کے خلاف میدان میں اترنے اور مقابلہ کرنے کی نوبت آتی ہے بلکہ ہر سو خاموشی چھا جاتی ہے، حاملین دین اور ذمہ دارانِ امت کی جانب سے بھی اس پر کوئی روک وٹوک نہیں ہوتا۔

بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظریات کے عنوان سے بعض ایسی باتوں پر یقین رکھا جاتا ہے جو شرعی و دینی عقائد سے واضح طور پر متصادم ہوتی ہیں لیکن اس کو برداشت کرلیا جاتا ہے، چنانچہ عصری دنیا میں اجتماعی نظم ونسق کے حوالہ سے بہت سی باتیں ایسی ہی ہیں جن کو مسلمان نظریات کے نام سے اختیار کرتے ہیں حالانکہ تمام پہلوؤں سے ان پر غور کیا جائے تو وہ مذموم وممنوع عقائد سے بعض اوقات زیادہ مضر اور گمراہ کن ثابت ہوجاتی ہیں۔

ایک فکر آمیز مثال

اس کو یوں ہی بھی آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے کہ مثال کے طور پر پچھلے چند دہائیوں سے برّصغیر پاک وہند کی سرزمین پر حیات وممات کی بحث چلی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی برزخی زندگی کیسی ہے؟ کیا روحِ مبارک کو جسدِ اطہر کے ساتھ کوئی ربط وتعلق ہے جس کی بنیاد پر اس کو حیات سے تعبیر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بحث عقیدے کے عنوان وطرز سے اٹھی اور جن لوگوں نے اس کا اقرار

یا انکار کیا، انہوں نے اس کو عقیدے کا نام دیا، جانبین کی طرف سے تحریر و تقریر کے میدانوں میں کئی دہائیوں تک یہ جنگ جاری رہی جس کے بھیانک نتائج اور غیر معمولی اثرات کا ہم نے بچشم خود معاینہ کیا، یہ ساتویں دہائی شروع ہوگئی لیکن ہنوز جنگ جاری ہے۔

جس زمانے میں یہ مسئلہ نیا نیا ابھر کر سامنے آیا، اس سے کچھ سالوں پہلے اس سے زیادہ خطرناک، المناک امور وجود میں آچکے تھے لیکن شاید ان کی خوش قسمتی تھی کہ "نظریات" کے نام سے ان کی پرچار کی گئی، چنانچہ اس سے چند سالوں پہلے "اقوام متحدہ" وجود میں آگئی جنہوں نے کچھ عرصہ میں بنیادی انسانی حقوق میں سے حریت، مساوات، آزادی اور امن وغیرہ چیزیں شامل کردیں اور ان معصوم الفاظ اور دلکش عنوانات کو ایسے تشریحات کے ساتھ متعارف کیا جو صرف دین اسلام کے ایک آدھ نص، روایت یا عقیدے ہی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ پورے ہی دین و مذہب سے متصادم ہیں، صرف اسلام ہی نہیں بلکہ کسی بھی آسمانی دین اور الہامی مذہب سے اس کا واضح طور پر تصادم و تعارض ہے، ان نظریات کو اگر ایک لمحے کے لئے درست تسلیم کرلیا جائے تو دین و مذہب کی عمارت دھرم گرجاتی ہے۔

دونوں اصطلاحات کے لحاظ سے امت کی روِش

اب ایک طرف حیات و ممات کا مسئلہ، اس کا پسِ منظر اور اس حوالہ سے امت کی بیداری اور کارکردگی ہے، دوسری طرف درج بالا نظریات اور اس حوالہ سے امت کی روش ہے، دونوں پہلوؤں پر سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر سے کام لیا جائے تو درج ذیل حقائق سامنے آجاتے ہیں:

الف:حیات ممات کے مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ چند نصوص کا ترک لازم آتا ہے جبکہ مساوات وغیرہ نظریات دینِ اسلام کے بنیادی تعلیمات وعقائد سے ہی متصادم ہیں جس کے ضمن میں بلا مبالغہ سینکڑوں سے زیادہ نصوص کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔اور وہاں تو چھوڑنے کا مطلب احترام واکرام کے ساتھ تاویل وتوجیہ کرنا ہے یا دیگر شرعی نصوص ودلائل کو اس کے مقابلے میں راجح قرار دینا ہے، جبکہ یہاں بڑے بے دردی ونہایت بے رحمی کے ساتھ نصوص کا مذاق اڑانا یا کم از کم اس کی سچائی پر یقین نہ رکھنا ہے۔

ب:پہلے مسئلہ میں اگر نصوص کا انکار یا ترک لازم آتا بھی ہے تو وہ بھی بے دینی یا دین بے زاری پر مبنی نہیں ہے، چنانچہ جو حضرات اس میں غلطی پر بھی ہیں وہ بھی دینی جذبے کے بنیاد پر دیگر نصوص کو سامنے رکھ کر اس غلطی پر اصرار کرتے ہیں جبکہ ان نظریات کا یہ حال نہیں ہے بلکہ اس کے پسِ منظر اور پیشِ منظر میں بے دینی ہی کارِ فرما نظر آتی ہے۔

ج:حیات وممات کے مسئلہ میں جس نکتے کو ہم اصولی لحاظ سے گمراہی کہہ سکتے ہیں ،اس کے شکار افراد کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھ کے قریب ہوگی جبکہ مساوات وغیرہ نظریات سے جو لوگ متاثر اور ان کے دلدادہ ہیں ان کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے، بیشتر ممالک کے بنیادی آئین میں اس کو تسلیم کیا جاچکا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جو بات دیکھنے کی ہے اور جس کے جائزہ لینے کی ضرورت ہے،وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں برصغیر پاک وہند کے دینی وعلمی حلقے کی جو

کچھ توانائیاں حیات وممات کے مسئلہ میں صرف ہوئیں ہیں، اس کا عشر عشیر بھی ان غیر شرعی اور خود ساختہ نظریات کے خلاف صرف نہ ہوا۔ اس کے مختلف اور متعدد وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہی ہے کہ حیات وممات جیسے مسائل عقائد کے نام، عنوان سے متعارف ہوئے ہیں اور مساوات وآزادی وغیرہ چیزیں نظریات کے چادر تلے پیش ہوئی ہیں، اس لئے علمِ عقائد سے شغف رکھنے والے حضرات کی اکثریت نے اس کے خلاف کوئی علمی محاذ قائم نہیں فرمایا۔

مسلمانوں کے درمیان اس باب میں ہر گز دو رائے نہیں ہیں کہ شرعی، عقلی، اخلاقی، نفسیاتی اور تجرباتی وغیرہ ہر سطح پر عقیدے کی غیر معمولی اہمیت اور ضرورت ہے، یہی وہ چیز ہے جس پر کسی بھی دین ومذہب کی عمارت استوار ہوتی ہے، لیکن جس نکتہ کی وجہ سے یہاں الجھاؤ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ نظریہ کے نام سے نئی بر آمد ہونے والی چیز شرعی اصطلاح میں عقیدہ ہے یا نہیں؟ ورنہ امت مسلمہ گو علم وعمل ہر لحاظ سے کسمپرسی اور انحطاط کی شکار ہے اور امت کی عملی کوتاہیاں بھی محتاجِ بیان نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود رب کریم کا بے پناہ حمد وشکر ہے کہ یہ امت ہنوز بانجھ نہیں ہے بلکہ حجازی خون اب بھی اس کی رگ وریشہ میں حرکت کر رہا ہے۔

دینی عقیدے کے دو لازمی اجزاء

ہمارے ہاں جس چیز کو عقیدہ کہا جاتا ہے، اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ:

الف: کسی چیز کے سچے وحق یا جھوٹے وناحق ہونے پر ایسا پختہ یقین واعتماد کیا جائے جو کسی کے شک دلانے یا وسوسہ ڈالنے سے ختم نہ ہو۔

ب: اس یقین رکھنے کو شریعت کی جانب سے باور کیا جائے کہ شریعت نے ہی ہمیں اس یقین رکھنے کا پابند بنایا ہے۔

اب اگر کسی چیز کا پختہ ایمان واعتقاد تو ہے لیکن اس کو شریعت کی جانب منسوب نہ کیا جائے تو وہ عقیدہ نہیں کہلائے گا۔ مثال کے طور پر زید کے کھڑے، بیٹھنے یا لیٹنے کا یقین رکھا جائے، اسی طرح اپنے تجربے کی بنیاد پر زرعی، تجارتی یا معاشرتی لحاظ سے کسی چیز کو مفید یا مضر خیال کیا جائے۔ ایسی چیزیں تو شرعا عقائد میں داخل نہیں ہیں اس لئے اس پر شرعا کوئی قدغن بھی نہیں ہے اور اس میں اختلاف کا ہونا بھی دینی یا اخروی لحاظ سے مضر نہیں ہے۔

لیکن ایک چیز کا لحاظ رکھنا بہر حال ضروری ہے اور وہ شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس اعتقاد ویقین کی وجہ سے شرعی احکام وضوابط کے ساتھ تصادم، انکار یا اس کو چھوڑنے کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ اور اگر کسی چیز پر یقین رکھا جائے اور اس کو شریعت کی جانب منسوب بھی کیا جائے لیکن خود شریعت نے اس کی تبلیغ وتلقین نہ فرمائی ہو تو یہ اعتقادی بدعت کہلائے گی[١]۔

---

[١] فقوله صلى الله عليه وسلم: «كل بدعة ضلالة» من جوامع الكلم لا يخرج عنه شيء، وهو أصل عظيم من أصول الدين، وهو شبيه بقوله: «من أحدث في أمرنا ما ليس منه فهو رد» ، فكل من أحدث شيئا، ونسبه إلى الدين، ولم يكن له أصل من الدين يرجع إليه، فهو ضلالة، والدين بريء منه، وسواء في ذلك مسائل الاعتقادات، أو الأعمال، أو الأقوال الظاهرة والباطنة. جامع العلوم والحكم، ج٢ص١٢٨.

جدید نظریات کا شرعی حکم

اس تناظر میں ان چیزوں کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے جن کو نظریات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

الف: اگر کوئی نظریہ ایسا ہے جو شرعی ضروری عقائد کے خلاف یا اس سے متصادم ہو تو وہ نظریہ رکھنا ناجائز و حرام ہو گا اور جس درجے کے عقیدے کے ساتھ جس درجے کا تصادم ہو، اس کے مطابق حکم اس پر لاگو ہو گا۔ مثال کے طور پر اگر نظریہ ارتقاء کی وجہ سے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پیدا کرنے کا انکار کیا جائے تو اس کے کفر ہونے میں شبہ نہیں ہے، اسی طرح سیکولرازم کے نظریہ کے تحت ریاستی امور میں شریعت کی رہنمائی پر عمل کرنے کو مسلمان کی پستی کا ذریعہ قرار دیا جائے یا سیکولر نظام کو اس پر ترجیح دیدی جائے، دینی احکام کی بجائے سیکولر قانون کا بہتر تصور کیا جائے وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب باتیں باعث کفر اور موجب ارتداد ہیں۔

ب: کوئی نظریہ خاص شرعی عقائد سے تو متصادم نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی دینی حکم کی مخالفت لازم آتی ہے تو ایسا نظریہ بھی شرعا ممنوع ہو گا، البتہ پھر ممنوع کے دائرہ کار میں اس کا کیا درجہ متعین ہو گا؟ اس کا فیصلہ اس حکم کی حیثیت کو دیکھ کر کیا جائے گا جس کی مخالفت لازم آتی ہے۔ مثال کے طور پر مرد وزن کے مساوات کا نظریہ ہے کہ اس کی وجہ سے متعدد دینی احکام کی مخالفت لازم آتی ہے چنانچہ میراث، گواہی، دیت، طلاق، سفر اور ذمہ داریوں کے حوالہ سے مرد وزن

میں فرق شریعت کی طرف سے مقرر ہے اور یہ فروق اصطلاحی معنیٰ میں عقائد کے تحت داخل بھی نہیں ہیں۔[1]

ج:اگر کوئی نظریہ ایسا ہے جس کے متعلق شریعت نے کوئی تلقین نہیں فرمائی، نہ اس کے ثابت ہونے کا حکم دیا اور نہ ہی اس کے نہ ہونے کی خبر دی ہو ،اور وہ نظریہ بھی ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے کسی شرعی حکم کی مخالف بھی لازم نہیں آتی،تو ایسا نظریہ شریعت سے متصادم نہیں کہلائے گا اور اس کو ممنوع نہیں قرار دیاجائے گا۔مثال کے طور پر آئن سٹائن کی جانب "نظریہ اضافیت " منسوب کیاجاتاہے،اس کو اگر اسی درجہ میں رکھاجائے اور اس کی وجہ سے کسی حکم شرعی کی مخالفت نہ آئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ اور نظریہ میں گو مفہوم کے لحاظ سے فرق ہو سکتا ہے اور ہے لیکن عام طور پر اس فرق کو برقرار نہیں رکھاجاتا، بلکہ بہت سے مواقع میں دونوں کو خلط ملط کیاجاتا ہے، نیز شرعی احکام کا دار مدار بھی محض الفاظ واصطلاحات پر نہیں ہے، لہٰذا محض کسی چیز کو نظریہ کہہ کر یہ باور کرانا کسی طرح درست نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظریہ ہے،عقیدہ نہیں ہے،اس لئے اس سلسلہ میں

---

[1] بعید نہیں ہے کہ ایسی چیزوں کو نظریات کہہ کر اس کی قباحت دلوں سے مٹانے یا ہلکا کرنے والے اس وعید کے تحت داخل ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانے میں لوگ حرام چیزوں کو نام بدل کر حلال کرنے یا سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ہم جو بھی پہلو اپنانا چاہے، اپنا سکتے ہیں، شریعت کی جانب سے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہو گا، بلکہ اس کو شرعی ضوابط پر پیش کرنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب۔

ناکارہ عبید الرحمان، عفی عنہ، ۲۰ ذی الحجہ ۴۳ھ

☆☆☆☆☆☆☆